نظم نئی تہذیب - اکبر الہ آبادی -

اکبر الہ آبادی کی حالاتِ زندگی اور ادبی خدمات :

آپ کا پورا نام سید اکبر حسین رضوی تھا - 16 نومبر 1846 کو بارہ ، ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے - ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی - پہلے مکتب اور پھر جمنا مشن اسکول میں داخل ہوئے -
ملازمت کی ابتداء عرضی نویسی سے کی - 1866 میں مختاری کا امتحان پاس کیا اور کچھ مدت کے بعد الہ آباد ضلع میں نائب تحصیلدار ہوگئے - ترقی کرتے کرتے 1881 میں منصف کے عہدے پر مامور ہوئے -
1894ء میں سیشن جج ہوگئے - بالآخر 9 ستمبر 1921ء میں آپ کا انتقال ہو گیا
اکبر کو شاعری کا شوق بچپن سے تھا - انہوں نے زمانے کے مزاج کے مطابق شاعری کی ابتداء غزل گوئی سے کی - ان کی انفرادیت ان کی طنز و مزاحیہ ان کی شاعری میں نظر آتی ہے وہ معاشرے کی خامیوں کو بڑے دل چسپ انداز میں ابھارتے ہیں اور لطیف پیرائے میں طنز کرتے جو ناگوار نہیں گزرتا -

نظم نئی تہذیب

یہ موجودہ طریقے راہیِ ملکِ عدم ہوں گے   نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہوں گے

یہ شعر اکبر الہ آبادی کی نظم نئی تہذیب سے لیا گیا ہے - شاعر کہتے ہے کہ اے لوگو! دنیا سے یہ موجودہ طور طریقے ختم ہو جائیں گے - اب زندگی کے نئے طور طریقے ہوں گے اور زندگی بسر کرنے کے لئے نئے نئے سامان میسر ہوں گے -

نئے عنواں سے زینت دکھائیں گے حسیں اپنی   نہ ایسا پیچ زلفوں میں نہ گیسو میں یہ خم ہوں گے

اکبر کہتے ہیں کہ حسین لوگ نئے طور طریقوں سے اپنے آپ کو سجائیں گے اور اپنی خوبصورتی کا مظاہرہ ایک نئے طریقے سے کریگے - حسین عورتوں کی زلفوں میں آج کی طرح نہ چکر ہونگے اور نہ ہی ان کے بالوں میں اس طرح کے بل ہوں گے - سجاوٹ کے یہ سارے طور طریقے بدل جائیں گے -

2

PAGE NO.
DATE: / /

۴۴

نہ خاتون میں رہ جائیگی پردے کی یہ پابندی نہ گھونگھٹ اس طرح سے حاجب روئے صنم ہوں گے

اکبر کہتے ہیں کہ جب نئی تہذیب آئے گی تو اس سے عورتیں پردہ کرنا چھوڑ دیں گی۔ اس وقت برقعہ - پردہ یا گھونگھٹ محبوب کے حسین چہرے کی نگہبانی نہیں کرے گے بلکہ پردے کا رواج ختم ہو جائے گا اور برقعے اُتر جائیں گے اور عورتوں کے چہرے بالکل پردے کے بغیر ہوں گے۔

بدل جائے گا انداز طبائع دورِ گردوں سے نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسباب غم ہوں گے

نئی تہذیب سے لوگوں کے مزاجوں میں بھی فرق آجائے گا - خوشیاں بھی نئے طریقوں سے آئے گی اور غم بھی نئی صورت اختیار کرے گے۔ کام کرنے کی عادت بدل جائے گی - لوگ آرام طلب ہونگے۔ خوشیوں اور غموں کے وجوہات نئے ہونگے۔

نہایت ہونگے مغنی نغمۂ تقلید یورپ کے مگر بے جوڑ ہونگے اس لئے بے تال وسم ہوں گے

یورپ کی پیروی یعنی نقل کرنے والے اور گانے والے بہت ملیں گے لیکن اُن کے گیت بے سُر ہونگے - نہ اُن کی آواز ساز سے میل کھائے گی اور نہ ہی ساز آواز کے ساتھ - اُن کے اس ساز و آواز میں وہ جادو نہ ہوگا جو ان کی اپنی موسیقی میں ہے۔

ہماری اصطلاحوں سے زبان ناآشنا ہوگی لغاتِ مغربی بازار کی بھاکا سے ضم ہوں گے

نئی تہذیب کی وجہ سے ہماری زبان میں ایسے الفاظ ہونگے جن کے معنی ہمیں خود بھی معلوم نہیں ہونگے یعنی ہماری بول چال کے الفاظ اکثر مغربی الفاظ ہونگے - ہمارے بازاروں میں صرف یورپی کتابوں اور رسالوں کی بھرمار ہوگی - ہماری بول چال کے الفاظ کا تعلق ہماری ادبی زبان سے نہیں ہوگا

بدل جائے گا معیارِ شرافت چشمِ دنیا میں
زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم ہوں گے

جب نئی تہذیب کا آغاز ہوگا تو دنیا کی نظروں سے شرافت ہی ختم ہو جائے گی۔ شرافت کے پہلو کا درجہ سب سے کم ہو جائے گا اور ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہے گی۔

کسی کو اس تغیر کا نہ حس ہوگا نہ غم ہوگا
ہوئے جس ساز سے پیدا اسی کے زیر و بم ہوں گے

اس تبدیلی کا کسی کو نہ ہی احساس ہوگا اور نہ ہی کوئی غم ہوگا۔ ملک میں بڑی بڑی تبدیلیاں آئے گی۔ جس ساز سے لوگ پیدا ہونگے پھر اسی ساز کے گیت گانے جائیں گے۔ جس طرح موسیقی کے سُر اونچے اور نیچے ہوتے ہیں اسی طرح موجودہ تہذیب بھی ختم ہوکر بدل جائے گی اور اس کا نام و نشان نہیں رہے گا۔

تمہیں اس انقلابِ دہر کا کیا غم ہے اے اکبر
بہت نزدیک ہیں وہ دن کہ تم ہونگے نہ ہم ہونگے

اس شعر میں شاعر اپنے آپ سے مخاطب ہوکر کہتے ہے کہ اے اکبر! تمہیں یہ انقلاب کیونکر کھائے جا رہا ہے۔ تمہیں اس تبدیلی کے بارے میں کوئی غم نہیں کرنا چاہئے اس لئے کہ تیری زندگی کے باقی دن بہت کم ہیں۔ اس انقلاب اور تبدیلی کے آنے تک تم اس دنیا سے کوچ کر چکے ہونگے لہٰذا اداس اور غمگین ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

کتابی سوالات!

جواب 1- اکبر الہ آبادی کے نزدیک تہذیب کے موجودہ طور طریقے مٹ جائیں گے۔ حسین عورتیں نئے طور طریقوں سے اپنے آپ کو سجائیں گی۔ عورتوں میں پردے کی کوئی بھی پابندی نہیں رہے گی۔ لوگوں کے مزاج اور طبیعتیں بدل جائے گی۔ یورپ کی نقل کرنے والے بہت

PAGE NO.
DATE: / /

سارے معنی ملیں گے مگر سب کے سب بدتر ہونگے۔ لوگوں کی زبان پر ایسے الفاظ ہونگے جن سے ہماری زبان ناواقف ہونگی۔ دنیا سے شرافت ختم ہو جائے گی۔ شرافت کے پتلوں کی کوئی بھی قدر نہیں ہوگی اور شریر لوگوں کا بول بالا ہوگا۔ اس تبدیلی کا نہ کسی کو غم ہوگا اور نہ ہی احساس ہوگا۔ رہن سہن کے طور طریقے بدل جائے گے۔

جواب 2- تقلید یورپ سے مراد یورپ کی نقل کرنا ہے۔ اکبر کہتے ہیں کہ ہندوستان میں جس تہذیب کا آغاز ہو رہا ہے وہی یورپ کی تہذیب ہے۔ ہندوستان میں ایک نئی تہذیب جنم لے رہی ہے۔ لوگ زندگی کے تمام طور طریقے یعنی رہن سہن، اٹھنا بیٹھنا، لباس غرض تمام چیزوں میں یورپ والوں کی نقل اور تقلید کر رہے ہے اور اپنی تہذیب بھول رہے ہیں۔

خیالِ پُرسشِ اعمالِ تنہا　　ابھی سے رُوح کو تڑپا رہا ہے

غزل کے اس مقطع میں تنہا کہتے ہیں کہ اے تنہا! مرنے کے بعد ہر انسان سے اس کے اعمال کے بارے میں پوچھ تاچھ ہوگی اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق سزا اور جزا دی جائے گی لیکن جب مجھے اس دن کا خیال آتا ہے تو میری روح کانپ اٹھتی ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ میرے لئے کیسی سزا ہوگی۔

غزل نمبر-2-

تیری فرقت میں مجھ پر ہر گھڑی جو کچھ گزرتی ہے　　سمجھتا خود تو ہوں لیکن تم کو سمجھانا نہیں آتا

تنہا کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب تمہاری جدائی کی وجہ سے میرے دل پر ہر وقت جو بیت رہی ہے میں خود سمجھ سکتا ہوں لیکن تم کو کیسے سمجھاؤں کہ جدائی کے دن اور راتیں کیسی ہوتی ہیں۔ انسان کو ان جدائی کے لمحات میں کیا کیا برداشت کرنا پڑتا ہے یہ اس سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ جدائی سے بہتر تو موت ہے۔ بقولِ غالب

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بُری بلا ہے　　مجھے کیا بُرا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

میں گل ہوں مسکراتا رہتا ہوں طوفان کے عالم میں　　خزاں کے تند جھونکوں میں بھی مُرجھانا نہیں آتا

تنہا کہتے ہیں کہ میں ایک ایسا پھول ہوں جو طوفانوں اور تیز ہواؤں میں بھی مسکراتا رہتا اور کھلتا رہتا ہے یعنی مجھ پر پریشانیوں اور مصیبتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ میں ان کا ہنس ہنس کے اچھی طرح سے مقابلہ کرتا ہوں۔ میں اس پھول کی مانند ہوں جو موسم خزاں میں بھی کھلتا ہے۔

شکستہ ناؤ اپنی اور موجوں کا تلاطم یہ　　ہو کچھ بھی یارو مجھ کو تو گھبرانا نہیں آتا

تنہا کہتے ہیں کہ میری زندگی ایک ٹوٹی ہوئی کشتی کی مانند ہے جس پر موجوں کا زور اگر آئے تو ٹوٹ کر ڈوب جائے گی۔ لیکن ایسی خستہ زندگی ہونے کے باوجود میں تمام مصائب و تکالیف کا سامنا کرنا اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ چاہے موجوں کا زور ہو یا طوفان آئے میں گھبرانے والوں میں سے نہیں ہوں بلکہ زندہ دل ہو کر زندگی گزارنا اچھی طرح جانتا ہوں۔

چٹانوں کو ہٹانا ٹھوکروں سے مجھ کو آتا ہے　　مگر نازک سی امیدوں کو ٹھکرانا نہیں آتا

تنہا کہتے ہیں کہ میں بڑی بڑی چٹانوں کو ٹھوکروں سے ہٹا سکتا ہوں مگر جو نرم اور نازک سی امیدیں مجھ میں اور میرے محبوب کے درمیان ہیں ان کو کبھی ٹھکرانا نہیں چاہتا ہوں۔ میں مصیبتوں اور پریشانیوں کا سامنا کر کے راستے کی ہر ایک رکاوٹ کو دور کر سکتا ہوں لیکن محبوب کی نازک امیدوں کو کبھی ٹھکرانا نہیں چاہتا ہوں۔

تڑپنے ہی میں لطفِ زندگی حاصل ہوا تنہا　　تڑپتا خود تو ہوں اوروں کو تڑپانا نہیں آتا

تنہا کہتے ہیں کہ جب میں اپنی محبت میں تڑپتا رہتا ہوں تو مجھے زندگی کا مزا حاصل ہوتا ہے۔ میں بذاتِ خود تڑپتا رہتا ہوں لیکن اپنی پریشانیوں کا اثر دوسروں پر ہونے نہیں دیتا۔ محبت میں تڑپنے کا مزا تو میں خود اٹھانا چاہتا ہوں یعنی خود سب کچھ برداشت کرنا چاہتا ہوں لیکن دوسروں کو متاثر نہیں ہونے دینا چاہتا ہوں۔

17

4- تنہا انصاری کے حالاتِ زندگی اور ادبی خدمات

تنہا انصاری کا اصل نام حسین علی انصاری ہے۔ آپ 4 فروری 1914ء میں دلنہ بارہمولہ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دلنہ میں حاصل کی۔ مالی مشکلات کی وجہ سے مڈل کلاس کا امتحان پاس کرکے منشی کی حیثیت سے نوکری کرنے لگے۔ اس کے بعد محکمہ تعلیم میں استاد کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ملازمت کے دوران ہی انہوں نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے میٹرک، ایف اے، منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات پاس کئے۔ پھر بی اے اور بی ایڈ کی ڈگری جموں و کشمیر یونیورسٹی میں 1953ء میں حاصل کیں۔ تنہا انصاری 23 فروری 1969 اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔

تنہا انصاری نہایت ذہین اور قابل تھے۔ انہوں نے اردو اور کشمیری میں بھی شاعری کی ہے۔ آپ ایک اچھے نثر نگار بھی تھے۔ آپ کی ابتدائی شاعری عشقیہ اور رومانی تھی۔ لیکن سماجی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری میں بھی تبدیلی آئی۔ انہوں نے انسانیت، سچائی اور انسانی قدروں کی پامالی کی اور ان کو اپنا موضوع بنایا۔ آپ کا شمار کشمیر کے اول درجے کے شاعروں میں ہوتا ہے۔

غزلیاتِ تنہا انصاری

غزل نمبر ۱-

میری ہر صبح پر فرقت میں تیری
اندھیرا شامِ غم کا چھا رہا ہے

غزل کے اس شعر میں شاعر تنہا انصاری اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے محبوب! تمہاری جدائی میں میرا برا حال ہو گیا ہے یعنی میں تمہاری جدائی میں بہت اداس ہوں میری تمام خوشیاں غموں میں تبدیل ہو گئی ہے اور میری ہر صبح پر جیسے غم کا اندھیرا چھا گیا ہے۔ بقولِ علی

کہوں میں کیا تیری فرقت میں اے دوست　　اندھیرا ہی اندھیرا دیکھا اُجالوں میں

کئے جاتا ہوں میں جتنا مداوا　　غمِ دل اور بڑھتا جا رہا ہے

تنہا کہتے ہیں کہ جتنا میں اپنے دل کے غموں کا علاج کرتا ہوں اتنے ہی میرے دل کے غم زیادہ ہوتے جاتے ہے۔ محبوب کی جدائی کے غم کو میں اپنے دل سے مٹانا چاہتا ہوں مگر مٹنے کے بجائے میرے دل کے غم تازہ ہوتے جاتے ہے اور زیادہ بڑھتے جاتے ہیں۔

میری دنیا سے کوچ کر جانے والے　　تصور تیرا کیوں تڑپا رہا ہے

تنہا اس شعر میں اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہے کہ اے محبوب! تم میری دنیا سے چلے گئے ہو یعنی تم مجھ سے ترکِ تعلق کر چکے ہو لیکن تمہارا خیال اب بھی مجھے تڑپا رہا ہے اور بار بار تمہاری یاد دلاتا ہے۔ آخر کیوں تمہارا تصور دل سے جانے کا نام ہی نہیں لیتا۔ بقولِ شکیل

واللہ تجھ سے ترکِ تعلق کے بعد بھی　　اکثر گزر گئے ہیں تری رہ گزر سے ہم

نقابِ رُخ الٹ کر کس نے رکھ دی　　فلک پر چاند بھی شرما رہا ہے

تنہا کہتے ہیں کہ میرے محبوب کے چہرے سے کسی نے پردہ ہٹا دیا ہے۔ اس کے چہرے کی چمک دیکھ کر آسمان کا چاند بھی شرما گیا ہے۔ یعنی میرے محبوب کا چہرہ چاند سے بھی زیادہ خوبصورت اور حسین ہے کہ چاند بھی شرمانے پر مجبور ہو گیا۔

LO

کتابی سوالات: تنہا انصاری:

جواب-1- مداوا سے مراد دل کے غموں کا علاج ہے - تنہا انصاری کہتے ہیں کہ جتنا میں غمِ دل کا مداوا کرتا ہوں یعنی دل کے غموں کا علاج کرتا ہوں اتنے ہی میرے دل کے غم تازہ اور زیادہ ہوجاتے ہے - غرض کسی بھی قسم کا مداوا میرے بیقرار قلب پر بے کار ثابت ہوتا ہے۔

جواب-2- مرنے کے بعد یعنی حشر کے دن ہر ایک انسان سے اس کے اعمال کے بارے میں پوچھ تاچھ ہوگی اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق سزا اور جزا دی جائے گی - یعنی جن کے بُرے اعمال ہونگے ان کو سزا اور جن کے اچھے اعمال ہونگے ان کو جزا ملے گی -
لہٰذا شاعر تنہا انصاری ان ہی اعمال کی وجہ سے پریشان ہے اور اپنے بُرے اعمالوں کی وجہ سے خوفزدہ ہے -

جواب-3- خزاں کے تند جھونکوں سے مراد بہت زیادہ مصیبتوں اور پریشانیوں کا آنا ہے - جس طرح موسمِ خزاں میں تیز ہواؤں اور آندھیوں کی وجہ سے پھول مرجھا جاتے ہے اور بکھر کر گر پڑتے ہیں - اسی طرح زندگی میں بہت زیادہ مصیبتوں اور پریشانیوں کی وجہ سے ایک انسان بکھر جاتا اور گھبرا جاتا ہے اور اس کی حالت خستہ ہو جاتی ہے -

جواب-4- شاعر تنہا انصاری نے موجوں کے ساتھ تلاطم کے ساتھ شکستہ ناؤ استعمال کرکے اس بات پر زور دینا چاہا ہے کہ ہر ایک انسان کو زندگی میں تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے - دراصل زندہ رہنے کے لئے مصائب کا ہونا بھی ضروری ہے - مگر انسان کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے اس کی رحمت سے نااُمید نہیں ہونا چاہئے اور ان مصائب اور تکالیف کا ڈٹ کے مقابلہ کرنا چاہئے جو ایک بہادر انسان کی پہچان ہے - بقولِ صبا افغانی

گلشن کی فقط پھولوں سے نہیں کانٹوں سے بھی زینت ہوتی ہے
جینے کے لئے اس دنیا میں غم کی بھی ضرورت ہوتی ہے

5.

خیالِ پُرسشِ اعمال تنہاؔ ابھی سے رُوح کو تڑپا رہا ہے

غزل کے اس مقطع میں تنہاؔ کہتے ہیں کہ اے تنہاؔ! مرنے کے بعد ہر انسان سے اس کے اعمال کے بارے میں پوچھ تاچھ ہوگی اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق سزا اور جزا دی جائے گی لیکن جب مجھے اُس دن کا خیال آتا ہے تو میری روح کانپ اُٹھتی ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ میرے لئے کیسی سزا ہوگی۔

غزل نمبر-2-

تیری فرقت میں مجھ پر ہر گھڑی جو کچھ گزرتی ہے سمجھتا خود تو ہوں لیکن تم کو سمجھانا نہیں آتا

تنہاؔ کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب تمہاری جدائی کی وجہ سے میرے دل پر ہر وقت جو بیت رہی ہے میں خود سمجھ سکتا ہوں لیکن تم کو کیسے سمجھاؤں کہ جدائی کے دن اور راتیں کیسی ہوتی ہیں۔ انسان کو ان جدائی کے لمحات میں کیا کیا برداشت کرنا پڑتا ہے یہ اس سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ جدائی سے بہتر تو موت ہے۔ بقولِ غالب

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بُری بلا ہے مجھے کیا بُرا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

میں گل ہوں مسکراتا رہتا ہوں طوفان کے عالم میں خزاں کے تند جھونکوں میں بھی مُرجھانا نہیں آتا

تنہاؔ کہتے ہیں کہ میں ایک ایسا پھول ہوں جو طوفانوں اور تیز ہواؤں میں بھی مسکراتا رہتا اور کھلتا رہتا ہے یعنی مجھ پر پریشانیوں اور مصیبتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ میں ان کا ہنس ہنس کے اچھی طرح سے مقابلہ کرتا ہوں۔ میں اس پھول کی مانند ہوں جو موسم خزاں میں بھی کھلتا ہے۔

شکستہ ناؤ اپنی اور موجوں کا تلاطم یہ مگر کچھ بھی یارو مجھ کو تو گھبرانا نہیں آتا

تنہاؔ کہتے ہیں کہ میری زندگی ایک ٹوٹی ہوئی کشتی کی مانند ہے جس پر موجوں کا زور اگر آئے تو ٹوٹ کر ڈوب جائے گی۔ لیکن ایسی خستہ زندگی ہونے کے باوجود میں تمام مصائب و تکالیف کا سامنا کرنا اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ چاہے موجوں کا زور ہو یا طوفان آئے میں گھبرانے والوں میں سے نہیں ہوں بلکہ زندہ دل ہو کر زندگی گزارنا اچھی طرح جانتا ہوں۔

چٹانوں کو ہٹانا ٹھوکروں سے مجھ کو آتا ہے مگر نازک سی امیدوں کو ٹھکرانا نہیں آتا

تنہاؔ کہتے ہیں کہ میں بڑی بڑی چٹانوں کو ٹھوکروں سے ہٹا سکتا ہوں مگر جو نرم اور نازک سی امیدیں مجھ میں اور میرے محبوب کے درمیان ہیں ان کو کبھی ٹھکرانا نہیں چاہتا ہوں۔ میں مصیبتوں اور پریشانیوں کا سامنا کرکے راستے کی ہر ایک رکاوٹ کو دور کر سکتا ہوں لیکن محبوب کی نازک امیدوں کو کبھی ٹھکرانا نہیں چاہتا ہوں۔

تڑپنے ہی میں لطفِ زندگی حاصل ہوا تنہاؔ تڑپتا خود تو ہوں اوروں کو تڑپانا نہیں آتا

تنہاؔ کہتے ہیں کہ جب میں اپنی محبت میں تڑپتا رہتا ہوں تو مجھے زندگی کا مزا حاصل ہوتا ہے۔ میں بذاتِ خود تڑپتا رہتا ہوں لیکن اپنی پریشانیوں کا اثر دوسروں پر ہونے نہیں دیتا۔ محبت میں تڑپنے کا مزا تو میں خود اٹھانا چاہتا ہوں یعنی خود سب کچھ برداشت کرنا چاہتا ہوں لیکن دوسروں کو متاثر نہیں ہونے دینا چاہتا ہوں۔

classmate
Date ____
Page ____

اُردو کہاں پیدا ہوئی؟

کتابی سوالات کے جوابات:

جواب (۱): اردو اور کشمیری میں چند شامل شدہ مشترکہ الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

قلم - کاپی - کتاب - صندوق - آب - گلاس - انسان - مکان - گھر - باغ - گل وغیرہ۔

جواب (۲):

زبان	جگہ	زبان	جگہ
کشمیری	کشمیر	تامل	تامل ناڈو
ڈوگری	جموں	پنجابی	پنجاب
ملیالم	کیرل	سندھی	سندھ
کنڑ	کرناٹک		

جواب (۳): برصغیر ہند و پاک کو زبانوں کا عجائب خانہ اسلئے کہا گیا ہے کیونکہ یہاں لاتعداد چھوٹی بڑی زبانیں بولی جاتی ہیں اور ان تمام زبانوں کے خطے اور علاقے مقرر ہیں جن کی نسبت سے بیشتر زبانوں کے نام قرار پائے ہیں۔ جیسے کشمیر کی زبان کشمیری، لداخ کی زبان لداخی، پنجاب کی زبان پنجابی وغیرہ۔

دیوان مرحوم کی یاد میں

جواب-۱- مضمون نگار خوف زدہ ہے کہ موت کے بعد اس کے عزیز و اقارب ، بیوی ، بچے اسی طرح اس کو بھلا دیں گے جس طرح وہ اپنے مرحوم باپ کو ، اپنے مرحوم بھائی کو اور اپنے عزیز ترین دوست کو رفتہ رفتہ بھول گیا ہے- مضمون نگار اسی تصور سے کانپتا ہے-

جواب-۳- ایک چیز کا کسی دوسری چیز کے مثل ہونے کو تشبیہ کہتے ہیں یعنی جب کوئی چیز کا دوسری چیز جیسا ہونا ظاہر ہو- جیسے چہرۂ آفتاب یعنی آفتاب سا چہرہ -یہاں آفتاب اور چہرہ میں نور کی مشابہت ہے - یعنی چہرہ آفتاب سا پرنور ہے-

Date ______
Page ______

فیض احمد فیض

گلوں میں رنگ بھرے بادِ نو بہار چلے
چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے

فیض اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے محبوب! چمن کی خوبصورتی تو بہار کی آمد سے ہوتی ہے۔ مگر میرے دل کے چمن کی بہار تمہاری آمد سے ہے۔ اے میرے محبوب اب تو بہار کی ہوا کی مانند آجاؤ اور میرے دل کے چمن کو خوشنما بنا دو۔ تیری آمد سے دل کی بے قراری رفع ہو جائے گی۔

قفس اداس ہے یارو صبا سے کچھ تو کہو
کہیں تو بہرِ خدا آج ذکرِ یار چلے

فیض اپنے دوستوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے دوستو! میرے دل کا قید خانہ ویرانی اور اداسی کے عالم میں ڈوب گیا ہے۔ خدا کرے کہ آج میرے اس قید خانہ میں میرے محبوب کا ذکر چھڑ جائے تاکہ اس کی ویرانی آبادی میں بدل جائے۔ صبح کی مہکتی ہوئی ہوا سے کہدو کہ آج میرے اس قید خانے میں محبوب کی کوئی خبر لائے تاکہ دل کے اضطراب کو تسکین ملے۔

کبھی تو صبح ترے کنجِ لب سے ہو آغاز
کبھی تو شب سرِ کاکل سے مشکبار چلے

فیض کہتے ہیں کہ کاش کبھی صبح کا آغاز میرے محبوب کی مسکراہٹ سے ہو جائے۔ ایسی شروعات تو میری زندگی کو پر نور بنائے گی۔ اور کبھی تو رات محبوب کے بالوں کی خوشبو سے معطر ہو جائے واللہ میری زندگی میں چار چاند لگجائیں گے۔

بڑا ہے درد کا رشتہ یہ دل غریب سہی
تمہارے نام پہ آئیں گے غمگسار چلے

فیض اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے محبوب! اگرچہ میرا دل غریب سہی اگرچہ میری تمناؤں کی تمہیں قدر ہی نہیں مگر تیرے ساتھ تو میرا درد کا رشتہ ہے یعنی ہم ایک دوسرے کے درد کو سمجھتے ہیں۔ جہاں بھی تمہارا نام لیا جائے گا تمہارا دیوانا وہاں حاضری ضرور دیگا۔ یہ الگ بات ہے کہ میں وہاں سے مایوس ہی لوٹوں گا۔

جو ہم پہ گزری سو گزری مگر شبِ ہجراں
ہمارے اشک تری عاقبت سنوار چلے

فیض محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے محبوب! تیری جدائی میں جو کچھ بھی مجھ پر گزری ہے یہ میں ہی جانتا ہوں۔ جدائی کی راتیں کتنی لمبی اور افسردہ ہوتی ہیں۔ میرا دل اس کیفیت سے اچھی طرح واقف ہے۔ مگر اتنا طے ہے کہ تیری جدائی میں جو آنسوں بہاتا ہوں ان

Date
Page

سے تیری عاقبت سنور گئی ہوگی اور ہمارے گناہ دھل گئے ہوں گے ۔

حضورِ یار ہوئی دفترِ جنوں کی طلب　　گرہ میں لے کے گریباں کا تار تار چلے

فیض کہتے ہیں کہ جب دربارِ یار میں محبوب کے شیدائیوں کو طلب کیا گیا تو میں اپنے گریبان کے ٹکڑوں کو گرہ میں باندھ کر محبوب کے روبرو حاضر ہوا ۔ یہی امید تھی کہ میرا محبوب میرا گریبان چاک دیکھ کر میری دیوانگی سے آشنا ہو جائے گا ۔

مقامِ فیض کوئی راہ میں جچا ہی نہیں　　جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

فیض کہتے ہیں کہ محبت کے سفر میں کوچہ یار سے بہتر کوئی مقام مجھے پسند نہ آیا ۔ عمر بھر اس کے کوچے سے جایا نہ گیا اگرچہ کبھی مجبوراً وہاں سے نکلنا پڑا تو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے میں سولی کی طرف چلا جا رہا ہوں ۔

classmate
Date
Page

تعلیم سے بے توجہی کا نتیجہ   از الطاف حسین حالی

تشریحات

بند(۱) یہ بند حالی کی نظم "تعلیم سے بے توجہی کا نتیجہ" سے لیا گیا ہے۔ حالی اس بند میں کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے حصولِ تعلیم میں کوتاہی اختیار کی وہ جاہلیت کے اندھیرے میں گرفتار ہوکر پستی کا شکار ہوگئے۔ تعلیم سے بے توجہی کی باعث ممالک اور سلاطین حکمرانی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ امیروں پر مفلسی کے بادل چھاگئے۔ خاندانی عزت کے قابل نہ رہیں اور ان کے شرافت کے دعوے کھوکھلے ثابت ہوگئے۔

بند(۲) حالی اس بند میں کہتے ہیں کہ حصولِ تعلیم میں کوتاہی برتنے کی باعث کاریگروں کا کام اور پیشہ وروں کا پیشہ پھل پھول نہ سکا۔ ان کے کاروبار ترقی سے محروم رہ گئے۔ سوداگر خستہ حالی کا شکار ہوگئے۔ بعض گھروں میں تالے پڑگئے اور بعض گھر نیلام ہوگئے۔ وہ جو دن رات دولت کمانے میں مصروف رہتے تھے آج تعلیم کی طرف بے توجہی نے ان کو اہلِ غربا میں شامل کردیا۔

بند(۳) حالی کہتے ہیں کہ جدید تعلیم کے حصول میں کوتاہی کی وجہ سے ہنرمندان اور فنکاران جدید آلات اختیار کرنہ سکیں جس کی وجہ سے ان کی ہنرمندی اور فنکاری پست ہوگئی۔ اسی طرح ادیبوں اور طبیبوں میں جدت پسندی نہ ہو تو ان ادب اور طب زوال کا شکار ہوجائے گا۔ تمام فلسفی اور مناظر اور ان کی تحریروں کی اشاعت سے وابستہ ناظم و ناشر پستی کا شکار ہوتے جاتے ہیں

بند(۴) حالی کہتے ہیں کہ ہندوستان والوں نے جدید تعلیم سے یوں منہ موڑ لیا کہ وہ سراپا ہر شے میں مغرب کے محتاج ہوچکے ہیں۔ ایک معمولی ٹوپی بنانے کیلئے وہ عمدہ کپڑا تیار خود نہیں کرسکتے ہیں۔ اس ٹوپی کو سینے کے لیے ایک معمولی سی سوئی نہیں بنا سکتے ہیں کیونکہ وہ مشینی علم سے بے خبر ہیں۔

بند(۵) حالی کہتے ہیں کہ ہندوستان کے تاجروں اور بیوپاریوں کی محتاجیت کا عالم یہ ہے کہ اگر مغرب سے تجارت کا سامان آنا بند ہوجائے تو یہ محتاج بھوکے مرجائیں گے۔ اگر کاروبار کے راستے بند ہوجائیں گے تو ہمارے بازار اور دکانیں سراپا خالی ہوجائیں گے۔ ہمارے اہلِ تاجر اور سیٹھ مغرب کے سہارے زندہ ہیں اور ان ہی کی بدولت گزارا کررہے ہیں۔

ماحولیات آلودگی

جواب :- ماحولیاتی آلودگی سے مراد گردوپیش کے ماحول کا گندہ یا آلودہ ہونا ہے۔
انسان کے گردوپیش خواہ پانی ہو یا ہوا، خوراک ہو یا مٹی یا دیگر متعدد اجزا
کی غلاظت جس کی وجہ سے قدرتی توازن بگڑ جاتا ہے، آلودہ ماحول کہلاتا ہے۔

جواب ۔۲۔ ماحول اور آب و ہوا قدرت کے وہ انمول تحفے ہیں جن کا صاف و شفاف
اور توازن میں رہنا مخلوقات کی زندگی کیلئے لازمی ہے۔

جواب ۔۳۔ جنگلات کی کٹائی کی وجہ سے درج ذیل خطرات پیدا ہو گئے ہیں :-
(الف) بارش کا توازن بگڑ چکا ہے۔
(ب) مٹی کا بڑا حصہ دریاؤں اور سمندروں میں جمع ہوتا جا رہا ہے۔
(ج) سیلاب سے ہر سال سخت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔
(د) مٹی کے کٹاؤ اور بہاؤ کی وجہ سے زمین بنجر بن گئی ہے۔

Page 7

غزل -۲-   فیض احمد فیض

(الف) کب ٹھہرے گا درد اے دل کب رات بسر ہوگی
سنتے تھے وہ آئیں گے سنتے تھے سحر ہوگی

مطلع میں فیض احمد فیض اپنے دل ستم زدہ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے دل! یہ غلامی کے درد کا سلسلہ کب ختم ہوگا۔ یہ ظلم و ستم کے اندھیرے یہ غلامی کی رات کی تاریکی کب گزر جائے گی اور آزادی کی نئی صبح کب ظاہر ہوگی۔ حالانکہ میں نے سنا تھا کہ غلامی کی رات گزر جائے گی اور آزادی کی صبح آئے گی۔ آخر کار کب تک اور انتظار کرنے پڑے گا۔

ب) کب جان لہو ہوگی کب اشک گہر ہوگا
کس دن تری شنوائی اے دیدۂ تر ہوگی

فیض کہتے ہیں کہ حصولِ آزادی کی خاطر ہم نے اپنی جانیں قربان کی ہیں اور زار و قطار آنسوں بہائے ہیں۔ آخر کب وہ وقت آئے گا جب ہماری جانوں اور خون کی قیمت آزادی کی صورت میں مل جائے گی۔ کب ہمارے آنسوں آزادی کے دھاگے میں موتیوں کی طرح پروئے جائیں گے۔ مصرعہ ثانی میں فیض آزادی کے خاطر آنسوں بہانے والی آنکھوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے دیدۂ تر! وہ دن کب ہوگا جس دن تیرے آنسوؤں کی داستان سنی جائے گی۔

ج) کب مہکے گی فصلِ گل کب بہکے گا میخانہ
کب صبحِ سخن ہوگی کب شامِ نظر ہوگی

فیض کہتے ہیں کب وہ آزادی کی بہار ہمارے دلوں کے چمن کو مہکائے گی۔ کب میخانۂ دل آزادی کے نشے میں بہک اٹھے گا۔ آخر کب تک ہمیں اس صبح کا انتظار کرنا ہوگا جو آزادی کا پیغام اپنے دامن میں سمیٹ کر لائے گی۔ کب ہماری شام آزادی کے نظاروں کے نور سے روشن ہو جائے گی۔

د) واعظ ہے نہ زاہد ہے ناصح ہے نہ قاتل ہے
اب شہر میں یاروں کی کس طرح بسر ہوگی

فیض کہتے ہیں کہ یہ شہر جس میں میرا گزارہ واعظ کی نصیحت اور زاہد کے زہد سے ہوتا تھا۔ اس شہر پہ یہ کون سا جادو چھا گیا۔ یہاں نہ واعظ رہا نہ زاہد رہا، نہ نصیحت کرنے والا اور نہ ہی قاتل۔ یہ سب تو میرے اشعار کی زینت تھی۔ افسوس اب اس شہر میں میرا گزارہ کیسے ہوگا۔

ہ) کب تک ابھی رہ دیکھیں اے قامتِ جانانہ
کب حشر معین ہے تجھ کو تو خبر ہوگی

فیض اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے میرے حسین قد آور محبوب! تیرا دیدار میرے لئے قیامت سے کم نہ ہوگا۔ میں اس قیامت کا آخر کار کب تک رستہ دیکھوں یعنی کب تک میں تیرے دیدار کا انتظار کروں؟ ذرا اب کہہ دو؟ کب تیرا دیدار میرا نصیب ہوگا؟ کب میرا انتظار ختم کرنے آئے گا؟ یہ تو تمہیں خبر ہوگی کہ میرے دل پر قیامت طاری کب ہوگی؟

بند (۶)   حالی کہتے ہیں کہ یہ سب سزائیں اور بلائیں ترک تعلیم کا نتیجہ ہے۔ کاش اہل ہندوستان
اس لاپرواہی سے باز آجائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بہتری اور خیریت کی راہیں بند ہو جائے
اور ہم غفلت کی نیند میں ہی ہونگے کیونکہ مستقبل جاہلیت کے اندھیرے سے بھرا ہوا ہوگا
اگر ہم نے یونہی تعلیم سے غفلت اختیار کی۔ جاہلیت کی ہوا راہ گزر سے بڑھتی ہی جا رہی ہے
وہ ہی افراد جنہوں نے اپنی زندگی کو تعلیم کے فانوس میں رکھا ہوگا محفوظ اور بے خطر ہیں۔

بند (۷)   حالی کہتے ہیں کہ فوجی عہدیدار فوجی ٹولیوں کا جائزہ لے رہا ہے اور جنہیں ماہر اور
ہنرمند دیکھتا ہے یعنی جن فوجیوں کو نئے زمانے کے تقاضوں میں کھرا اترنے کے لائق
سمجھتا ہے ان کو ہی تلواروں اور نقاروں سے یعنی اختیارات سے نوازتا ہے اور جو بے ہنر
معلوم ہوتے ہیں ان کے نام رسالوں سے کاٹتا جاتا ہے انہیں اختیارات سے سبکدوش
کیا جاتا ہے۔